عمر ابن سعد اور امام حسینؑ

مصنفہ

علامہ سید ابن حسن رضوی صاحب قبلہ جارچوی

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

التعارف

یہ مختصر سا رسالہ جناب علامہ ابن حسن رضوی جارچوی نے اپنے چند مضمونوں سے مرتب کیا ہے۔ میرے بار بار عرض کرنے پر علامہ موصوف نے باوجود کثرت مشاغل مجھے محروم نہیں کیا۔ اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ اگر حالات نے مساعدت کی تو امامیہ مشن انشاء اللہ جناب موصوف کی کوئی مکمل کتاب شایع کرنے کا فخر حاصل کرے گا۔

بعض مصنفین اور مولانا شبلی نے اپنی کتاب "المامون" میں مامون الرشید کو امام رضا علیہ السلام کے قتل سے بری کرنا چاہا ہے۔ علامہ جارچوی نے اسی کتاب "المامون" سے اور مامون الرشید کی سیرت، اُس کے کردار، اُس کی سیاست، اُس کی جاہ پرستی اور اُس کے وقتی حالات سے واضح طور پر ثابت کیا ہے کہ قاتل امام رضا علیہ السلام مامون الرشید ہی ہے۔

خادم مشن

سید آفاق حسین رضوی

آنریری جوائنٹ سکریٹری

۳۱ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء

مامون الرشید

عہد حکومت

بنی امیہ کا دور خالص عربوں کے تسلط و اقتدار کا زمانہ تھا عباسی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عجموں کو بھی ترقی کا موقع دیا، یہاں تک کہ وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز ہونے لگے، ہارون الرشید کا زمانہ اہل عجم کے عروج و اقبال کا زمانہ تھا اور ملک کا سیاہ و سفید ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ مامون الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے بھی اپنے پیشرو کی اس حکمت عملی کو جاری رکھا۔ رواداری کے اس مظاہرے نے نظم ونسق، مالیات، اور علوم و فنون غرض ہر شعبۂ زندگی پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک ملک میں امن و امان اور خوش حالی کے ساتھ ساتھ علوم و فنون بھی ترقی کرنے لگے۔ عہد مامون کو مؤرخ مسلمانوں کے دور حکمرانی کا سب سے درخشاں زمانہ کہتے ہیں۔ وہ تنگ نظر اور متعصب بادشاہ نہ تھا اس نے اسلامی علماء کے ساتھ ساتھ یہودی، عیسائی اور پارسی علماء کو بھی

اپنے دربار میں جمع کیا اور مختلف زبانوں سے علوم و فنون کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔

ابن لوقا کے زیرِ نگرانی یونانی، سریانی اور کلدانی کتابوں کے ترجمے ہوئے، یحییٰ ابن ہارون نے فارسی کتابوں کو اور دوبان برہمی نے سنسکرت کے علوم کو عربی کا جامہ پہنایا۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء نے تحقیق و تدقیق کے بعد اس سرمایۂ علمی میں گرانقدر اضافہ کیا، علم ہیئت، علم المرایا، علم ہندسہ، جرِ ثقیل وغیرہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ بادشاہ کو علوم و فنون کا اس قدر شوق تھا کہ وہ ہفتہ میں کم از کم ایک بار علمی محفل منعقد کرتا اور پہروں بیٹھکر علماء کے مباحث سنتا اور خود ان میں حصہ لیتا تھا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے فیض صحبت نے اس کے مذاق علمی کو پختہ کر دیا تھا اور اس کے دل و دماغ کو نورِ تحقیق و تدقیق سے اس قدر منور کر دیا تھا کہ وہ باریک سے باریک مسائل کو بھی باسانی سمجھ سکتا تھا۔ ابو الحسن نے اس کے عہد میں دوربین ایجاد کی اور تدمور کے ہموار میدان میں اس کے حکم سے مسلمانوں کی سب سے پہلی رصدگاہ کی بنیاد پڑی بحر قلزم کے کنارے زمین کے ایک درجے کی پیمائش کرا کے کرۂ ارض کا طول و عرض معلوم کرنے کی کوشش کی گئی۔

کردار مامون لمبا تڑنگا اور قوی ہیکل آدمی تھا اُس کے چہرے پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ ارادے کا مضبوط اور مشکلوں سے نہ گھبرانے والا انسان ہے۔ خاندان بنی عباس میں اس کے برابر سنجیدہ، بالغ نظر اور عاقبت اندیش بادشاہ مشکل سے نظر آئے گا وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ بات کو ہر پہلو سے پہلے سوچ لیتا تھا اور اتنا جری تھا کہ جو کچھ سوچ لیتا تھا اُس کو کر گزرتا تھا۔ اُس کی ذہانت اور دلیری نے اُس کو خلافت کے عظیم القدر عہدے تک پہنچایا اور عاقبت اندیشی نے اس عہدے کو برقرار رکھنے میں مدد دی -DIVIDE AND ROLE (تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو) کے اصول پر وہ سختی سے کاربند رہا اور اپنی راہ میں جس کو رکاوٹ بنتے دیکھا اُس کا خاتمہ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ لیکن یہ عمل وہ اس خوبی سے انجام دیتا تھا کہ کوئی اُس کو مورد الزام نہ ٹھہرا سکتا تھا۔ آیندہ صفحات اُس کی ان تمام صفات کی مثالیں پیش کریں گے۔

عہد مامون کا ایک یادگار جشنِ عید

خراسان کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت خراسان حکومت اسلامی کا بنگال تھا، وہاں آئے دن فتنے برپا ہوتے، بغاوتیں پھیلتیں اور

انقلابی تحریکیں نمودار ہوتی رہتی تھیں۔ یہ علاقہ مرکزِ حکومت سے بہت دور تھا۔ سندھ، ہند، افغانستان، اور ماوراء النہر کی سرحدیں یہاں آکر ملتی تھیں ہم سرحد ممالک کے من چلے انقلابی اس خطہ میں پناہ گزیں ہوکر اپنے دعاوی کی تبلیغ و اشاعت کا موقع نکالتے رہتے تھے۔ اسلامی دور سے پہلے بھی ایران کی ہر نئی تحریک نے اسی سرزمین پر نشوونما پائی۔ مقدس زردشت کا دین یہیں پھیلا، مانی و مزدک کی نیم سیاسی اور نیم مذہبی تحریکوں نے اسی خطے میں فروغ پایا۔ نقشہ پر ایک نظر ڈالیے۔ یہ علاقہ ایشیا کا قلب ہے اور مغرب سے مشرق اور مشرق سے مغرب پر حملہ کرنے والے قسمت آزماؤں کی ہمیشہ سے جولانگاہ بنا رہا ہے آپ تاریخ کی ورق گردانی کرتے جائیے کبھی آپ کو سکندر، سلوکس اور نادر مشرق کی طرف رُخ کیے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے ملیں گے کبھی چنگیز، ہلاکو اور تیمور کے گھوڑوں کا رُخ مغرب کی جانب ہوگا غرض ہر کشور کشا اسی ملک سے گزرتا نظر آئے گا۔

ایران و توران کی تاریخی جنگیں جنھوں نے پلِ سیستان کو رستم داستان بنا دیا اور جن کی صدائے بازگشت آج تک شاہ نامۂ فردوسی کے صفحات پر گونج رہی ہے اسی سرزمین پر لڑی گئی تھیں۔ کشور کشائی اور جہانگیری کے خونریز و روح فرسا مناظر کے ساتھ ساتھ من آفرینی

اور صلح جوئی کے مشاغل بھی اس خطے کو متاثر کر رہے تھے۔ عہد قدیم سے حجاز، یمن، مصر، نینوا، بابل بلکہ یورپ و افریقہ کے دور دست ممالک تک کے تجارتی قافلے یہاں سے گزر کر مشرقی ایشیا کی طرف جاتے تھے اور اسی طرح ہند و سندھ، چین و ماچین، تاتار و ترکستان کے سوداگر اسی راستے سے اپنا مال مغربی ایشیا کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے۔ اونٹوں، خچروں اور گدھوں پر لدے ہوئے سامان تجارت کے ساتھ ساتھ روحانی تحفے اور دل و دماغ سے اپیل کرنے والے پیام بھی اِدھر سے اُدھر منتقل ہوتے رہتے تھے۔ مصر، یونان اور بابل کے علمی خزانے ہند و چین تک پہنچتے تھے اور چین و ہند کے معارف سے مغربی ممالک روشناس ہوتے تھے۔ صدیوں سے بدھ مت کے داعی ہند و ترکستان سے اور مسیحی راہب فلسطین، شام و عراق سے چل کر اسی ملک میں جمع ہوتے تھے۔ یہاں ایک طرف بدھ مت کے وہار تھے تو دوسری طرف نیشاپور میں مسیحی خانقاہیں تھیں۔ یوں یہ خطہ مشرقی اور مغربی مذاہب کا سنگم اور آریائی اور سامی افکار و خیالات کا مقام اتصال بنا ہوا تھا۔ مختلف خیالات و اقوام کے اس تصادم کو دیکھتے دیکھتے یہاں کے باشندے فی الجملہ اس قدر آزاد رو ہو گئے تھے کہ ہر نئی تحریک کا کھلے دل سے خیر مقدم کرتے تھے اور ہر نئے صاحب دعا

کا ساتھ دینے کو تیار رہتے تھے۔

بنی امیہ کا دور اپنے ظلم و ستم کے لیے مشہور ہے جب اُن کے مظالم ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے اور آلِ محمد کے دوستوں کے لیے عرصۂ عافیت تنگ ہو گیا تو ابو مسلم خراسانی وغیرہ نے انقلاب حکومت کی جد و جہد کے لیے اسی سرزمین کو چنا۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ "رضائے آلِ محمد" کی تائید میں سب سے پہلی موثر آواز اسی ملک سے بلند ہوی۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ بنی امیہ کا تخت اُلٹ کر نیا نظام حکومت قائم کرنے کی جو تحریک ہاشمیوں اور اُن کے طرفداروں نے شروع کی تھی اُس کا نام "دعوتِ رضائے آلِ محمد" تھا۔ رضائے آل محمد کی تحریک خراسان میں بہت مقبول ہوی۔ یہاں کے باشندوں نے جانی اور مالی ایثار کر کے بنی امیہ کی حکومت کو درہم و برہم کر دیا۔

مگر جب "حق بہ حقدار نرسید" اور عنان حکومت بنی عباس کے ہاتھ آئی تو اہل خراسان کو بہت مایوسی ہوی۔ انھوں نے عباسیوں کے خلاف مسلسل بغاوتیں کیں اور حکومت بغداد کو ایک دن چین سے نہ بیٹھنے دیا ہارون رشید نے یہ دیکھا کہ بغداد میں بیٹھ کر خراسان کا انتظام نہیں ہو سکتا اس لیے اُس نے حکومت کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ایک حصّے میں عرب، عراق، شام، مصر اور ماورائے مصر شامل تھے، دوسرا حصّہ ایران

خراسان اور ماوراءالنہر پر مشتمل تھا پہلے حصے کی حکومت اُس نے اپنے بیٹے امین کو دی اور اس کا مرکز بغداد قرار دیا۔ اور دوسرا حصہ مامون کے سپرد کیا اور شہر مرو کو اس کا دارالحکومت بنایا۔

طے یہ تھا کہ ہارون کے بعد خلافت امین کو ملے گی اور امین کے بعد مامون کو۔ ہارون رشید نے سنہ ۱۹۳ھ میں وفات پائی اور اس کی وفات کے بعد امین خلیفہ ہوا۔ اور مامون ممالک مشرقیہ پر حکمراں رہا۔ چار برس تک بھائیوں میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا مگر سنہ ۱۹۷ھ میں امین نے اپنے باپ کی وصیت کے خلاف اپنے بیٹے موسیٰ کے لیے بیعت لینا شروع کی۔ مامون یہ خبر سُن کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے امین پر فوج کشی کی۔ کئی معرکوں کے بعد امین کی فوج نے شکست کھائی اور ۲ محرم سنہ ۱۹۹ھ کو وہ قتل کر دیا گیا اب مامون سارے ممالک اسلامیہ کا بلا شرکت غیرے حکمراں ہو گیا۔

امین و مامون کی کشمکش کے زمانے میں سادات بنی فاطمہ حجاز، یمن اور عراق کے بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے اور ان کی طاقت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی اُن کے خفیہ داعیوں سے ایران و خراسان بھی خالی نہ تھے۔

مامون الرشید کی سیاسی چالیں سنہ ۲۰۰ھ ہے، مامون الرشید شہر مرو میں بیٹھے داد عیش و عشرت دے رہا ہے۔ ایک طرف

امین کے قتل سے متاثر ہو کر بنی عباس اُس کے خلاف ہیں دوسری طرف سادات بنی فاطمہ اور بنی علی جا بجا خروج کر رہے ہیں۔ قریب ہے کہ چکّی کے یہ دونوں پاٹ اس کو اور اُس کی سلطنت کو پیس کر رکھدیں یکایک مامون کے ذہن رسا نے ایک تدبیر سوچی اور وہ فوراً اُس کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہو گیا" دونوں محاذ پر یک وقت لڑنا آئین جنگ کے خلاف ہے عباسی پھر بھی اپنے ہیں ان کو کسی نہ کسی طرح راضی کیا جا سکتا ہے۔ پہلے اولادِ علی و فاطمہ کا قصّہ ختم کر لینا چاہیئے"، سادات میں جو صاحب وجاہت تھے وہ تمنائے حکومت اور شوق امارت رکھتے تھے جو بے نام و نمود تھے اُن سے کشود کار کی امید نہ تھی، لے دے کے حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی ذات ایسی تھی جو جانشینِ اب وجد ہونے کے ساتھ ساتھ حکومت و سلطنت کی حرص و آرزو سے دور تھے۔ سادات کا منھ بند کرنے کے لیے آنحضرت کو ملانا ضروری تھا۔ ابتداءً تو مامون نے نامہ و پیام کے ذریعے سے کام نکالنا چاہا مگر جب دیکھا کہ حضرت حکومت سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھنا چاہتے تو اعیان دولت کا ایک وفد اپنے ماموں رجاء بن ضحاک کی سرکردگی میں مدینہ بھیجا جو باصرار تمام یا دوسرے الفاظ میں مجبور کر کے حضرت کو دارالحکومت مرو تک لے آیا

جب امام عالی مقام شاہی وفد کے ساتھ وارد ہوئے تو مامون نے بڑی تعظیم و تکریم سے آپ کو ایک اعلیٰ درجہ کے محل میں ٹھہرایا۔ دو تین روز کے بعد جب کسل سفر دور ہو گیا تو بصد ادب حضرت کی خدمت میں التماس کی کہ "آپ اس منصب جلیل کے مجھ سے زیادہ اہل ہیں۔ میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ میں سب سے پہلے شرف بیعت حاصل کروں۔" حضرت نے ایک بہت معنی خیز جواب ارشاد فرمایا

"اے بادشاہ اگر یہ خلافت خداوند جلیل کے حکم سے آپ کی ہے تو آپ اُس کے حکم کے بغیر کسی دوسرے کو کس طرح دے سکتے ہیں اور اگر آپ کی چیز نہیں تو آپ دینے والے کون"؟

اب مامون نے کہا اچھا خلافت نہ سہی آپ میری ولیعہدی ہی قبول فرمالیجیے۔ حضرت نے اس سے بھی معذرت چاہی اور فرمایا آپ کا ولی عہد وہ بنے جس کو آپ کے بعد زندہ رہنا ہو۔ راج ہٹ مشہور ہے مامون نے جب نرمی سے کام بنتے نہ دیکھا تو شاہانہ تمکنت اور جابرانہ سختی سے کام لینا چاہا حضرت نے مجبور ہو کر منظور فرمالیا ایک سنی فاضل خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب میں لکھتے ہیں

"ثم الح المامون الحاحاً کثیراً فقبل ولایۃ العہد وھو باک وحزین علی شرط ان لا ینصب احداً ولا یعزل

احداً منصوباً، جب مامون نے بیحد اصرار کیا تو ولیعہدی قبول فرمالی (مگر یہ منصب پاکر مسرور نہیں ہوے) بلکہ روتے جاتے تھے اور مخزون تھے اور (مامون سے) یہ شرط بھی کرلی تھی کہ (مجھے امو سلطنت سے کوئی سروکار نہ ہوگا) نہ میں کسی معیّن کو معزول کروں گا نہ معزول کو معیّن کروں گا، ظاہر ہے کہ حضرت کو امور مسلمین کی ذمہ داری اپنے سر لینے سے انکار نہ تھا بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہوشیار بادشاہ مجھکو بساط سیاست کا مہرہ بنانا چاہتا ہے جب کام نکل جائے گا تو طوطے کی طرح آنکھیں بدل لے گا۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت اس موقع پر بار بار یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے ,, اللھم لا عھد الا عھدك ولا ولایة الّا من قبلك فوفقنی لاقامة دینك واحیاء سنة نبیك فانك نعم المولیٰ ونعم النصیر،، خدایا تیرے سوا سب کے عہد جھوٹے، تیری ولایت کے علاوہ سب ولایتیں غلط، مجھے توفیق دے کہ تیرے دین کو قائم اور تیرے نبی کی سُنت کو زندہ کروں۔ تو ہی بہتر مولا ہے اور تو ہی اچھا مددگار ہے۔

پھر اسی عہدنامہ کی عبارت سے جو قبول ولی عہدی کے بعد حضرت نے تحریر فرمایا ہے صاف ظاہر ہے کہ حضرت کی نگاہ میں اس منصب کی کیا قدر تھی والجامعة والجفر یدلان علی ضد ذالك وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان الحکم الا اللہ یقض الحق وھو خیر الفاصلین

ولکن امتثلت امیر المومنین فاثرت رضاءہ (بادشاہ مجھے ولایتِ عہدہ کے منصب پر سرفراز فرما رہے ہیں) حالانکہ جفر و جامعہ اس کے خلاف دلالت کرتے ہیں۔ معلوم نہیں میرے اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا فیصلہ تو بس اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہی حق کا فیصلہ کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ (قبول ولی عہدی صرف) بادشاہ کے حکم کی تعمیل اور اُس کی مرضی رکھنے کے لیے ہے۔

ماہ رمضان ۲۰۱ھ امام علی ابن موسی علیہ السلام ولی عہد سلطنت قرار پائے۔ ہزاروں عباسیوں[۱] اور فاطمیوں پر نظر ڈال کر بادشاہ نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب کیا تھا اس لیے "الرضا[۲] من ال محمد" کا خطاب عطا ہوا۔ اس خطاب سے اُس قدیم تحریک کی تائید بھی حاصل کرنا مقصود تھی جو

---

[۱] چنانچہ اس فرمان میں جو دربار ولی عہدی میں پڑھا گیا صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ جب سے بادشاہ نے عنان حکومت سنبھالی، وہ شب و روز اسی فکر میں رہتے تھے کہ امر خلافت کے لیے اس شخص کو منتخب کریں جو علم و فضل اور دیانت و عدالت میں یگانۂ روزگار ہو۔ تمام بنی عباس اور اولاد علی کو چھان ڈالا مگر کسی کو اس منصب جلیل کا اہل نہ پایا۔ بالآخر خداوند عالم سے استخارہ کیا اور اس کی مدد سے نظر امام علی ابن موسیٰ پر جا کر ٹھہری جو ہر طرح سے اس عہدے کے مستحق ہیں ۱۲

[۲] بعض اکابر شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت کا یہ خطاب خاندانی ہے۔ ۱۲

❖ ❖ ❖

"رضائے آل محمد" کے نام سے ڈیڑھ صدی سے جاری تھی اور خفیہ ہی خفیہ اپنا کام کر رہی تھی۔ اس طرح بادشاہ نے ایک طرف خراسان کے خیر خواہان آل محمد کو اپنا طرفدار بنا لیا اور دوسری طرف حجاز، یمن، عراق اور شام کے علوی و فاطمی مدعیان سلطنت و طالبانِ امارت کے منھ بند کر دیے۔ اب بغاوتوں میں پہلے کا سا زور اور باغیوں کے طرفداروں میں وہ جوش و خروش باقی نہ رہا۔

رمضان المبارک کا مہینہ گزرا۔ ہلال عید نمودار ہوا۔ بادشاہ نے امام عالی مقام سے گزارش کی "ہماری خوش قسمتی کہ اس عید کے موقع پر فرزند رسول کے قدم ہمارے درمیان موجود ہیں۔ کل نماز عید کی امامت کا آپ سے زیادہ کون مستحق ہے"۔ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "نماز عید کی امامت آثار سلطانی اور شعار شاہی سمجھی جاتی ہے۔ اور میں حسب عہد نامہ اپنے آپ کو ان تمام چیزوں سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہوں جو بادشاہی پر دلالت کرتی ہیں اس لیے مجھے معاف ہی رکھا جائے تو بہتر ہے"۔ مگر بادشاہ تو عامۃ الناس پر اپنی اہلبیت نوازی کا نقش جمانا چاہتا تھا، اُس کو تو خراسان کی انقلابی جماعتوں کی تائید حاصل کرنا تھی اس لیے وہ اصرار کرتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر حضرت نے منظور فرما لیا۔

صبح عید

شہر مرو اور آس پاس کے قریوں میں منادی کرا دی گئی کہ کل فرزند رسول نماز عید پڑھائیں گے صبح عید نمودار ہوئی وہ عید جو سلاطین کے لیے

شاہانہ رعب داب کے مظاہرہ کا موقع بہم پہنچاتی ہے جس دن امارت و حکومت اپنا سارا کروفر منظرِ عام پر لے آتی ہے جس دن عیدگاہ پر ایک نظر دولت کی غیر عادلانہ تقسیم کے خلاف ہزاروں تقریروں سے بڑھ کر کام کرتی ہے، جس دن دولت مند اپنے دلوں کے حوصلے نکالتے ہیں اور نادار دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔

شہر مرو کے زن و مرد، پیر و جواں، امیر و غریب دن نکلتے ہی حضرت کے در دولت پر حاضر ہو گئے تاکہ آپ کے شاہانہ جلوس کا نظارہ کریں۔ رستوں میں، کوٹھوں پر، دوکانوں میں، درختوں کے اوپر، غرض جہاں جہاں نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے۔ اُن کی نگاہیں ایسے جلوسوں میں زر کار ملبوس، مطلا و منقش دستار، جواہر نگار نعلین دیکھنے کی عادی تھیں۔ امیر از راہ مقابلہ اور فقیر بہ نگاہ حسرت ولی عہد حکومت کا پہلا خلعتِ عید اور شاہانہ جاہ و جلال ملاحظہ کرنے کے مشتاق تھے مگر جب حضرت برآمد ہوئے تو امرا دنگ رہ گئے اور فقرا پھولے نہ سمائے کہ اُن کا امام عامۃ الناس کی طرح سادہ مزاج و سادہ لباس تھا۔

اہل خراسان اس سے پہلے بھی بادشاہوں، والیوں، اور قائدوں کے ہزاروں جلوس دیکھ چکے ہوں گے مگر آج اُن کے سامنے حیرت انگیز منظر تھا۔ یہاں نہ بادشاہوں کی طرح کروفر تھا نہ مذہبی رہنماؤں اور

سیاسی لیڈروں کی طرح پراسرار اور جاذب توجہ سج دھج"۔ امام عالی مقام عامۃ الخلائق کا سا لباس اور محنت کر کے پیٹ پالنے والوں کی سی سادہ پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ سر پر سفید عمامہ۔ جسم پر قبا جس کے دامن کمر تک اور پائجامہ نصف ساق تک چڑھا ہوا دست مبارک میں عصا لیے ہوئے۔ ادہر ادھر چند رفقا جو اسی طرح سادہ لباس پہنے ہوئے تھے حضرت تکبیرات اربعہ بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے اور ہر طرف سے مخلوق خدا اللہ اکبر اللہ اکبر علی ما ھدانا الخ کے نعرے لگاتی تھی۔ از بسکہ عید کے موقع پر مساوات و عدل کا یہ طریقہ رسول مقبول اور دیگر انبیاء سلف کی سنت تھی اور امام عالی مقام مخلوق کو یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ ہم دنیاوی سلاطین کے نہیں بلکہ انبیاء و اوصیاء کے وارث ہیں اس لیے آپ بلند آواز سے یہ بھی فرماتے جاتے تھے السلام علی ابوی آدم ونوح السلام علی ابوی ابراھیم واسماعیل السلام علی محمد ن المصطفے وعلی ن المرتضی السلام علی عباد اللہ الصالحین وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطیبین الطاھرین۔ میرے باپ آدم و نوح پر سلام ہو، میرے باپ ابراہیم و اسماعیل پر سلام ہو، میرے باپ محمد مصطفے اور علی مرتضی پر سلام ہو، اور خدا کے صالح بندوں پر سلام ہو، اللہ محمد اور ان کی طیب و طاہر اولاد پر رحمت نازل فرمائے۔

خراسان کے انقلابی عناصر اور مساوات پسند طبقوں نے جو حکمراں

جماعت کے تبختر سے نالاں تھے ایک مساوات پرور قائد دیکھا، اپنی قوم پرستوں نے جو عربوں کے نسلی غرور سے تنگ تھے شہر بانو کے پوتے کی ذات میں اپنی قومی برتری کا نشان پایا جو بدھ مت کی تعلیم اور مسیحی تبلیغ سے متاثر تھے انھوں نے امام عالی مقام کی سادہ زندگی اور شان و شکوہ سے نفرت دیکھکر اسلام کو اصلی روشنی میں دیکھا اور یوں ایک مرتبہ ساری مختلف الخیال جماعتیں اُمنڈ آئیں اور حضرت کے نعرۂ تکبیر پر سب نے بیک آواز اس طرح نعرے لگائے کہ در و دیوار کیا زمین و آسمان لرزنے لگے۔

کس کی مجال تھی کہ امام پیدل ہوں اور وہ گھوڑے پر سوار رہے امام سادہ لباس پہنے ہوں اور وہ خلعت فاخرہ میں ملبوس رہے۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے، جوتوں کے بند توڑ کر برہنہ پا ہو گئے اور یہ جلوس ایک سرے سے دوسرے سرے تک مساوات و ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا حضرت ہر دس قدم پر ٹھہرتے اور تکبیرات اربعہ باواز بلند ارشاد فرماتے اور حضرت کے ساتھ ساتھ در و دیوار سے صدائے تکبیر بلند ہوتی جس کی آواز باز گشت سے شہر و سوادِ شہر گونج اُٹھتے۔ امام علیہ السلام کا ہر قدم اُن کا ہر نعرہ دلوں میں گھر کر رہا تھا، گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے اور بڑے

قدم چومنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے کچھ لوگ فرطِ عقیدت سے رو رہے تھے، کچھ اس دنوں کے حکمران کی بڑھتی ہوئی اثر اندازی پر عش عش کر رہے تھے۔

خراسان کی سرزمین نے فرزندِ رسول، وارثِ خلافت الٰہیہ اور فاطمی امام کا اصل روپ آج پہلے پہل دیکھا تھا، بادشاہوں کا جاہ و جلال اس کی سادگی کے سامنے گرد تھا، بھکشوؤں، موبدوں اور راہبوں کے مصنوعی تقدس اس کے زہد و ورع کے سامنے ہیچ تھے، اس مخلوق کے لیے جو برسوں کیا بلکہ صدیوں سے رضائے آلِ محمد کی مشتاق بنائی جا رہی تھی جس نے ہزاروں مرتبہ آلِ محمد کے نام پر اپنے مال اور اپنی اولاد تک نثار کر دی تھی آج دُہری عید تھی۔ عید الفطر اور عید وصال۔

نفسیاتِ عامہ کے ماہر جانتے ہیں کہ اگر کچھ دیر یہ حالت اور رہتی تو انقلاب برپا ہو جاتا عباسی حکومت اور شخصی اقتدار کے لیے یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔ اللہ اللہ جس کے جلوس میں یہ گرم جوشی ہے وہ اگر مصلےٰ تک پہنچ گیا، نماز عید پڑھا دی اور خطبہ سنا دیا تو خدا جانے مخلوق کی گرویدگی کا کیا عالم ہو گا شخصی اقتدار ابھی تک اُن جلوسوں سے واقف تھا جو سلاطین جور کے لیے رعایا

کی طرف سے بادلِ ناخواستہ آراستہ کیے جاتے ہیں۔ جن میں فوج اور پولیس کی "ہٹو بچو" اور چوبداروں کی آواز "دور باش" کے خوف سے عوام قریب تک نہیں آسکتے جہاں کسے بندھے سپاہی محض تنخواہ کی خیر منانے کے لیے گردو پیش نظر آتے ہیں جن کی طرف دل نہیں صرف قدم بڑھتے ہیں۔

یہاں جلوس کا انتظام خود رعایا کی طرف سے تھا، دعوت خاص نہ تھی بلکہ عام تھی، کسی کے لیے روک ٹوک نہ تھی، امیر و فقیر، خرد و کلاں سب امام کی زیارت سے مشرف ہو رہے تھے، بوڑھوں اور ضعیفوں کے قدموں نے جواب دے دیا ہو مگر اُن کے دل شوقِ دید میں کسی سے پیچھے نہ تھے، عورتیں لبِ بام کھڑی تھیں، مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو گودوں میں اُٹھائے اور کاندھوں پر چڑھائے ہوئے تھیں اور اشارہ سے دنیا کے اس انقلاب پسند، مساوات پرور اور امن آفریں خاندان کے آٹھویں قائد کی نشان دہی کر رہی تھیں، جس کا نام برسوں سے اُن کی زبان پر تھا، اور جس کے دین کی دعوت دو صدی سے اُن کے ملک میں جاری تھی، بچے تتلا تتلا کر پوچھتے تھے، "اماں یہ کس کا جلوس ہے، آج کون عیدگاہ کی طرف جا رہا ہے"! مائیں کہتی تھیں "یہ ہمارے امام ہیں، ہم سب ان ہی کے نانا کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ قرآن ان ہی کے

گھرنا نزل ہوا تھا، یہ ہماری شہزادی شہر بانو کے پوتے ہیں دین اور دنیا دونوں کے بادشاہ یہی ہیں۔" آج ابو مسلم[1] خراسانی کی روح شادماں ہوگی، وہ ایک مرتبہ خوشی کے مارے قبر میں اچھل پڑا ہوگا۔ اگر امام مصلّے تک پہنچ گئے تو منصور کی اولاد دیکھ لے گی کہ دوستوں سے دغا کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے جس خاندان کے نام اور کام کی آڑ میں تم نے حکومت حاصل کی تھی آج اس کا فرزند خود اہل خراسان کے سامنے ہے۔

رعایا کے بگڑے ہوئے تیور اور بدلے ہوئے انداز دیکھکر خیر خواہان مامون میں ہلچل مچ گئی فضل بن سہل نے حاضر دربار ہوکر دہائی دی کہ آج حکومت عباسی کی خیر نہیں ہے، رعایا دل وجان سے حضرت امام رضا کا کلمہ پڑھ رہی ہے۔ اگر آنجناب نے نماز عید پڑھادی اور مخلوق نے ان کی زبان سے خطبہ عید سن لیا تو خدا جانے کیا ہوجائیگا نفسیات کا ماہر امام رعایا کے جذبات عقیدت کو برانگیختہ کر رہا ہے اس کی ہر ادا، ہر نقل و حرکت دلوں پر جادو کا کام کر رہی ہے.... حاکم بدہن مجھے عباسیوں کا اقتدار گھٹتا ہوا اور فاطمیوں کا اثر بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے، ذرا دیر ہوئی تو ہمارا یہ لشکر و خزانہ سب رکھا رہ جائیگا

---

[1] ابو مسلم خراسانی خراسان کا وہ مشہور انقلابی لیڈر جس نے اپنی تلوار کے زور سے بنی عباس کی حکومت قائم کی تھی اور جس کو منصور دوانیقی نے دھوکے سے قتل کرادیا تھا۔ ۱۲

امام دلوں پر قبضہ اور دماغوں پر غلبہ حاصل کیے لیتے ہیں،" مامون گھبر اگیا فوراً چوبدار کے ذریعے سے امام عالی مقام کی خدمت میں کہلا بھیجا، "مخلوق کی کثرت اور تماشائیوں کی بھیڑ بھاڑ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہو گی۔ اب زیادہ زحمت نہ فرمائیے، جو ہمیشہ نماز پڑھاتا تھا آج بھی پڑھا لے گا۔ امام راستے سے گھر کی طرف واپس چلے آئے مگر شہر میں اس قدر شور ہونگ مچ گئی کہ اُس دن عید کی نماز ہی نہ ہو سکی۔

امام عالی مقام نماز نہ پڑھا سکے، حکومت ان کا بڑھتا ہوا اثر دیکھکر سراسیمہ ہو گئی مگر اہل خراسان کو حضرت کا مقام بلند معلوم ہو گیا۔ مودّت آل محمدؐ کی چنگاریاں جو برسوں سے دلوں میں سوزاں تھیں اور جنھیں ظلم و استبداد کسی وقت بھی بجھا نہ سکا تھا وہ شعلہ فشاں ہو گئیں یہ اور اسی قسم کے اور چند واقعات تھے جنھوں نے خراسان و ایران میں آل محمدؐ کے اثر کو اس قدر بڑھا دیا کہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی وہاں کے ذرے ذرے سے "یا علی، یا حسن، یا حسین" کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ شاید خاک ایران کی یہی کشش تھی کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُس کو اپنا مسکن بنا لیا۔ عباسیوں کا چراغ گل ہو گیا سامانی، صفوی، قاچاری، ایک ایک کرکے سب رخصت ہو گئے، مگر امام عالی مقام کا دربار پہلے سے زیادہ شان و شکوہ کے ساتھ قائم ہے اور

انشاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

امام رضا علیہ السلام کا قاتل کون تھا؟

گزشتہ اوراق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا اعلان مامون کی ایک سیاسی چال تھی عباسی بادشاہوں میں وہ سب سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ چالاک اور ماہر سیاست بادشاہ گزرا ہے سادات کا زور توڑنے کے لیے اُس نے امام رضا علیہ السلام کے نام سے فائدہ اُٹھایا اور جب کام نکل گیا تو عباسیوں کے خوش کرنے کے لیے اُن کا کام تمام کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ہندوستان کے مشہور مورخ مولوی شبلی صاحب اپنی کتاب (المامون) میں لکھتے ہیں:۔

"یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضا علیہ السلام کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا مگر ایک خاص فرقے نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔ شیعہ بلا استثناء اس امر پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا، افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے، تمام وہ بڑی بڑی تصنیفات جن کو دنیائے اسلام نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں اور بظاہر اُن میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا

تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو ان ہی کی طرف رجوع کرنا پڑیگا جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر الزام لگانے کی جرأت نہیں کی۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد مقرر کیا تو اس سے کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا علیہ السلام کوئی ملکی شخص نہ تھے اور اُن سے حکومت عباسیہ کو خطرے کا احتمال تھا۔"

آیئے سب سے پہلے ہم اس امر کا جائزہ لیں کہ امام رضا علیہ السلام کی اُس وقت کوئی سیاسی اہمیت تھی یا نہیں، دوسرے مورخوں کو چھوڑیے خود مولوی شبلی صاحب "المامون" میں لکھتے ہیں:۔

"ایک طرف تو امین کے قتل اور فضل بن سہل کی وزارت کی وجہ سے سارے عباسی مامون کے خلاف تھے دوسری طرف سادات[عل] نے علم بغاوت

عل تاریخ کی ورق گردانی کرنے والے لوگ بخوبی واقف ہیں کہ شروع شروع میں بنی عباس اور سادات علوی وفاطمی ایک ہی جماعت میں شامل تھے۔ ائمۂ اہلبیت کو تو اپنے تبلیغی مشاغل ہی سے فرصت نہ تھی مگر دوسرے بنی ہاشم بنی امیہ کی حکومت کے خلاف کبھی کبھی جد وجہد کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب اموی حکومت درہم برہم ہو رہی تھی تو مدینہ میں ایک اجتماع ہوا اور ہاشمیوں نے محمد بن عبد اللہ بن حسن بن الحسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت میں منصور عباسی بھی شامل تھا۔ جب منصور خلیفہ ہوا تو اسکو اپنی اس بیعت کا خیال اکثر ستاتا رہتا تھا اور وہ محمد بن عبد اللہ مذکور کو جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور تھے پکڑنے کے لیے بہانے ڈھونڈھتا رہتا تھا۔ اور بالآخر یہ الزام لگا کر کہ وہ حکومت کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں ان کی گرفتاری کے احکام

بلند کر رکھا تھا اور اُن کی بڑھتی ہوئی طاقت کا سیلاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عباسی حکومت کو بہا لے جانے کی دھمکی دے رہا تھا اُس وقت مامون کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ کسی ایک پارٹی سے صلح کر کے اپنی طاقت کو مضبوط کرے۔ از بسکہ فضل بن سہل کا مامون پر بہت اثر تھا اور عباسی اس کی وزارت کے خلاف تھے اس لیے لازمی طور پر اُس نے مامون کو یہ صلاح دی کہ سادات سے صلح کر لی جائے اور اس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ امام رضا علیہ السلام کو ملا لیا جائے۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۳)

صادر کر ہی دیے۔ مگر وہ مع اپنے بھائی ابراہیم کے بچ کر نکل گئے اور ظالم منصور نے ان کے ضعیف باپ عبداللہ اور دوسرے بنی حسن کو گرفتار کر لیا۔ ان سادات کرام پر اس نے ایسے مظالم کیے کہ وہ بنی امیہ کا ظلم و ستم بھول گئے منصور کے ستم و جور سے تنگ آ کر نفس زکیہ نے مدینہ سے اور ابراہیم نے اہواز و بصرہ سے منصور پر حملہ کرنا چاہا۔ ابتدا میں تو نفس زکیہ کو بڑی کامیابی ہوئی کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے اور حجاز و یمن کے ہزاروں آدمیوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ مگر لڑائی کے وقت بہت سے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور یہ اور ان کے مختصر سے ساتھی بہادری کے ساتھ لڑ کر ختم ہو گئے ابراہیم کو جب بھائی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے عباسیوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا مگر شریف النفس ابراہیم نے بھاگتے ہوئے عباسیوں کا تعاقب کرنا پسند نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مرتبہ پلٹ پڑے اور ابراہیم کی فوج کو دبا لیا ایک تیر انداز کے تیر نے ابراہیم اور اُن کی آرزوؤں کا خاتمہ کر دیا۔ اس فتح کے بعد منصور نے مدینہ و بصرہ میں سادات اور ان کے بہی خواہوں سے خوب خوب بدلہ لیا۔ ان کو پکڑ پکڑ کر قتل کرایا، ان کے گھر مسمار کر دیے، باغات جلا دیے۔ بنی حسن اور

چنانچہ امام عالی مقام کو طلب کیا گیا اور ۲۰۱ھ میں ان کی ولیعہدی کا اعلان ہوا، جس کی وجہ سے سادات اور علویین کی تالیف قلوب ہوگی۔ عباسیوں کا سیاہ رنگ ترک کیا گیا اور سبز لباس پہننے کا طریقہ جاری ہوا، خطبہ میں مامون کے نام کے ساتھ امام علی رضا کا نام لیا جانے لگا۔ ظاہر ہے کہ جب عرب اور فارس میں جمعہ کو منبروں سے امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا اعلان ہوتا ہوگا تو کس کی مجال تھی کہ اب مامون کے خلاف کوئی آواز اٹھا سکے۔"

(بقیہ صفحہ ۲)

بنی حسین کی جاگیریں چھین لیں۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم کا سر ظالم منصور نے ان کے باپ عبداللہ کے پاس بطور تحفہ بھیجا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اسکے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں رہے۔ منصور کے زمانہ کے بعد پھر کبھی بنی فاطمہ اور بنی عباس میں اتحاد و اتفاق نہ ہو سکا۔ چنانچہ ہارون کی وفات کے بعد جب مامون و امین میں اختلاف ہوا تو اس سے فائدہ اٹھا کر سادات نے جا بجا علم جنگ بلند کیا۔ ۱۹۹ھ کے وسط میں محمد بن ابراہیم علوی المعروف بہ ابن طباطبا نے کوفہ میں بیعت لی اور عباسی فوج کے سابق جرنیل ابو السرایا کی مدد سے کافی قوت حاصل کر لی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ابن طباطبا کوفہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے انھوں نے دیکھا کہ حمال خرموں کے گٹھے سر پر لادے جا رہے ہیں اور ایک شریف خاندان کی بوڑھی عورت ان کے پیچھے پیچھے دوڑی جا رہی ہے۔ جب خرمے کا کوئی ریزہ زمین پر گرتا ہے تو وہ اٹھا کر اپنی پھٹی پرانی ردا میں رکھ لیتی ہے ابن طباطبا نے اس ضعیفہ سے حال دریافت کیا اس نے کہا کہ میں بیوہ ہوں اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں رکھتی اپنے چھوٹے بچوں کا پیٹ اسی طرح بھرتی ہوں یہ سنکر ابن طباطبا رو دیے اور فرمایا تم ہی جیسے غریبوں کی خاطر میں کل خروج کروں گا۔ ہر چند کہ ابن طباطبا نے ابو السرایا کی مدد سے عباسی فوجوں کو کئی مرتبہ شکست دی مگر وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے بستر مرگ پر انھوں نے علی ابن عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ مگر انھوں نے یہ منصب قبول نہ فرمایا تو زید شہید کے نو عمر بیٹے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی گئی

مولوی شبلی صاحب کی اس عبارت کو پڑھیے اور غور کیجیے کہ اُس وقت حضرت امام رضا علیہ السلام کی سیاسی اور ملکی اہمیت کیا تھی اور اُن کی ولیعہدی کا اعلان درحقیقت ایک سیاسی اقدام تھا جو مصلحت وقت کی بنا پر عمل میں لایا گیا۔ ہوشیار اور ڈپلومیٹ DIPLOMAT مامون نے علویوں اور سادات کو خوش کرنے کے بعد عباسیوں پر ڈورے ڈالنا شروع کیے مگر عباسیوں کو فضل بن سہل کی وزارت اور امام علیہ السلام کی ولیعہدی دونوں پر اعتراض تھا۔ وہ بغداد میں مامون کو خلافت سے معزول کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے اور ازانجا کہ اکابر بنی عباس ہی ارباب حل وعقد سمجھے جاتے تھے اس لیے تعین خلیفہ کے لیے اُن کی بیعت ضروری تھی۔ اب مامون کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے یا

اور ابو السرایا ان کی طرف سے انتظام ملک کرنے لگا۔ مکہ۔ مدینہ، یمن، بصرہ وغیرہ میں گورنر اور قاضی مقرر کیے گئے۔ اسمٰعیل بن علی بن اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام کوفہ کے۔ ابراہیم ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام یمن کے۔ ان کے دوسرے بھائی زید اہواز و بصرہ کے اور حسین افطس مکہ کے گورنر مقرر ہوئے اس کے علاوہ دیگر بلاد اسلام سے برابر پیام آنے لگے کہ ہم اطاعت کے لیے تیار ہیں کوئی امیر مقرر کر بھیجیے تو ادھر یہ ہو رہا تھا ادھر عباسی فوج نے پوری طاقت سے حملہ کیا اور بھر صرصر پر ابو السرایا نے شکست کھائی یوں فاطمی حکومت کا نقشہ بن بن کر بگڑ گیا۔ پھر بھی ملک میں سکون نہیں ہوا بلکہ حسین افطس، ابراہیم اور زید بن امام موسیٰ کاظم عرصہ تک عباسی حکومت کو پریشان کرتے رہے جب امام علی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا اعلان ہو چکا تو ان شورشوں کا سدباب ہوا۔

(رضوی جارچوی)

وہ خلافت سے ہاتھ دھوئے یا نبی عباس کے مطالبات پورے کرے۔

عباسیوں کی تالیف قلوب کے لیے مامون مرو سے رخصت ہو کر عازم بغداد ہوا اور راستے میں وہ تمام کانٹے اپنی راہ سے دور کر دیے جن کی موجودگی عباسیوں سے مصالحت میں حارج ہوسکتی تھی۔ مامون کا جلوس جب منزل سرخس پر پہنچا تو ۲ شعبان کو فضل بن سہل حمام میں قتل کر دیا گیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ مامون نے چار آدمی فضل بن سہل کے قتل پر مامور کیے اور ان کو حکم دیا کہ اپنا کام کر کے بھاگ جانا اور اتنی دور نکل جانا کہ میرے سپاہی تم کو نہ پکڑ سکیں جب فضل کے قتل کی خبر عام ہوی تو مامون نے اس کے قاتلوں کو پکڑنے کے لیے سپاہی دوڑائے اور دس ہزار اشرفیاں انعام مقرر کیا۔ جب یہ قاتل پکڑے گئے تو انھوں نے (طبری اور کامل ابن اثیر کی روایت کے مطابق) برسر عام یہ کہہ دیا کہ ہم کو مامون ہی نے قتل کا حکم دیا تھا۔ مولوی شبلی صاحب اس مقام پر خود لکھتے ہیں :-

"گو تمام واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ ذوالریاستین (فضل بن سہل) کا قتل مامون کے ایما سے ہوا مگر مامون نے متعدد کارروائیوں سے اس یقین کو شبہ سے بدل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوائے اور نامۂ تعزیت میں بہت کچھ رنج و غم ظاہر کیا

اور لکھا کہ تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیے گئے۔"

اس واقعہ سے مامون کی افتاد طبیعت پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ بادشاہانِ عالم کی طرح ایک طرف تو وہ اس قدر خود غرض تھا کہ ضرورت کے وقت اپنے بڑے سے بڑے محسن کو بھی قتل کرنے سے نہ چوکتا تھا دوسری طرف اتنا ڈپلومیٹ DIPLOMAT بھی تھا کہ اس قتل سے اپنی بریت ثابت کرنے کے لیے مقتول کے ورثاء کے ساتھ داد و دہش اور حسن سلوک سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ ۵؎

۵؎ مامون کی زندگی میں محسن کشی کا تنہا یہی واقعہ نہیں ہے۔ ذو الیمینین طاہر جس کی بہادری کی بدولت بغداد فتح ہوا جس کی فوجوں نے امین کے دل بادل لشکر کا مقابلہ کیا جس نے بے سروسامانی کے باوجود امین کو شکست دی بالآخر زہر سے ہلاک کر دیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ فضل بن سہل اور طاہر نہ ہوتے تو مامون خلافت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

مولوی شبلی خود وفات طاہر کا حال اس طرح لکھتے ہیں "طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے کی حکومت دیدی۔ تاہم اُس کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ جب مامون سے رخصت ہونے لگا تو مامون نے ایک خاص غلام اُس کے ساتھ کر دیا۔ در پردہ غلام کو ہدایت کر دی گئی کہ اگر طاہر کے خیالات بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے۔ طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لیے آئے تو دربان سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ ہی میں ہیں۔ زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے۔ طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا۔ ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوایا۔"

طاہر کے مرنے کے بعد بھی مامون نے وہی چال چلی۔ اسکے بیٹے کو گورنری عطا کی اُس کے اعزا کو انعام و اکرام اور بڑے بڑے عہدے دے کر راضی کیا۔

حق یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنے تخت و تاج کی سلامتی کی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے، دو پارٹیوں کے درمیان توازن قائم نہ رکھا جائے تو کام کیونکر چلے۔ مامون نے پہلے سادات کے سر پر ہاتھ رکھا اور امین کو شکست دی پھر سادات کو چھوڑ کر عباسیوں کی طرف رُخ کیا اور آہستہ آہستہ اُن تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جو عباسیوں کو ملنے سے روک سکتی تھیں مرو سے بغداد پہنچتے پہنچتے فضل بن سہل کا ختم اور امام علی رضا علیہ السلام کا شہید ہو جانا ایک مورخ کو پس منظر کے سمجھنے میں کافی مدد دے سکتا ہے۔ یہی دو حضرات تھے جن کی دربار خلافت میں موجودگی عباسیوں کو ناگوار تھی۔ ان کے بعد مامون کو اہل بغداد کے نام یہ خط لکھنے میں آسانی ہوئی۔

"اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" (المامون ص۴۲)

مولوی شبلی صاحب کو اقرار ہے کہ امام علیہ السلام کو زہر دیا گیا، مگر وہ کہتے ہیں کہ مامون نے نہیں دیا اور اس کا ثبوت اُن کے پاس یہ ہے کہ:۔

"حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طرز عمل سادات کے ساتھ کیسا رہا"

ہم کہتے ہیں کہ ویسا ہی رہا جیسا فضل بن سہل اور طاہر کی اولاد کے ساتھ رہا تھا ہم کو شبلی صاحب کے ان الفاظ سے انکار نہیں ہے کہ:۔

"مامون جنازے کے ساتھ ننگے سر گیا اور رو رو کر کہتا تھا اے ابو الحسن

تیرے بعد میں کہاں جاؤں۔ تین دن تک قبر پر مجاور رہا"

مگر یہ سب باتیں تو وہ فضل بن سہل کے جنازہ پر بھی کر چکا تھا۔ دنیا محو حیرت ہے کہ وہ مامون جو فضل بن سہل کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے دس ہزار اشرفیاں انعام دینے کا اشتہار دے سکتا ہو حضرت علی رضا کے قاتلوں کی تلاش کے لیے کوئی فرمان تک جاری نہ کر سکے۔ شاید پچھلے تجربے نے اُس کو یہ سکھا دیا تھا کہ اپنے ہی مقرر کردہ قاتلوں کو گرفتار کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ کیا اب بھی کوئی صاحب بصیرت یہ کہہ سکتا ہے کہ امام علیہ السلام کے قتل میں مامون کا ہاتھ نہ تھا؟ مامون جانتا تھا کہ دنیا اُس کی ان ریشہ دوانیوں سے بے خبر نہیں ہے اُس نے ایک مرتبہ احمد بن داؤد سے خود کہا:۔

"بادشاہ بعض اوقات اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو سلوک کر گزرتا ہے عوام ہرگز اس کو نہیں سمجھ سکتے وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں ان کے بارے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہو سکتی وہ بے تکلف یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا حسد اور تنگدلی کی وجہ سے کیا لیکن اُن کو کیا معلوم کہ ضرورت کسی نکتہ چینی کی پروا نہیں کرتی" المامون صہ ۸۳

یہ صحیح نہیں ہے کہ کسی سُنی مورخ نے مامون پر زہر دینے کا الزام نہیں لگایا۔ روضتہ الصفا، نور الابصار اور شواہد النبوۃ میں مامون کو کھلم کھلا مجرم ٹھہرایا گیا ہے اور طبری نے بھی لکھا ہے

کہ شیعوں کا خیال ہے کہ حضرت امام کو مامون کے ایما رسے زہر دیا گیا تھا۔

مامون کی عیش پرستی

امین کی رنگ رلیاں تو مشہور ہی ہیں کہ اس نے اپنے محل میں اچھی خاصی اندر سبھا قائم کر رکھی تھی۔ دور دراز ملکوں سے لائی ہوئی حسین و جمیل لڑکیاں سر سے پاؤں تک بیش قیمت لباس اور زر و جواہر میں غرق ہر وقت اس کے سامنے محو رقص رہتی تھیں طبلہ کی تھاپ اور سارنگی کی آواز کے ساتھ یہ سب ایک ساتھ مل کر گاتی اور ناچتی تھیں کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ رات کے وقت زرنگار بجرے دجلہ میں پڑے ہوئے ہیں کافوری شمعوں کی روشنی سے دریا بقعہ نور بنا ہوا ہے اور امین اپنی پریوں کے جھرمٹ میں محو عیش و نشاط ہیں مامون بھی اس میدان میں اپنے بھائی سے پیچھے نہ تھے۔ مولوی شبلی صاحب المامون میں اپنے ہیرو کی رنگ رلیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھا ہے بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے دورِ شراب چل رہا ہے، گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں، یارانِ باصفا

مست ہوتے جاتے ہیں..........................

ایک دن بزم عیش آراستہ تھی بادہ و جام کا دور تھا۔ بیس[2] عیسائی کنیزیں دیبائے رومی کا لباس پہنے، گردنوں میں سونے کی صلیبیں، کمر میں زریں زنّار اور ہاتھوں میں گلدستے لیے بزم میں جلوہ آرا تھیں یہ سماں ایسا نہ تھا کہ مامون دل پر قابو رکھ سکتا بے ساختہ اشعار زبان سے نکلے اور احمد بن صدقہ نے ایک مغنّی کو بلا کر ان شعروں کے گانے کی فرمائش کی۔ احمد کی نغمہ سرائی کے ساتھ کنیزیں ناچنے کھڑی ہو گئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں اور جام شراب مامون کے بدمست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے۔ وہ بالکل سرشار ہو گیا اور حکم دیا کہ ان نازنینوں کے قدم پر تین ہزار اشرفیاں نثار کر دی جائیں۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"ایک دن معتصم نے مامون کی دعوت کی۔ مکان جو دعوت کے لیے سجایا گیا تھا اس کی چھت میں جا بجا روشندانوں میں شیشے لگے تھے مجلس میں احمد یزیدی اور سیما ترکی بھی موجود تھا جو معتصم کا پیارا غلام اور حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھا آفتاب کا عکس شیشوں سے ہو کر سیما کے چہرے پر پڑتا

عجب کیفیت پیدا ہوئی۔ مامون بے ساختہ پکار اُٹھا۔ دیکھنا آفتاب کا عکس سیما کے چہرے پر پڑ کر کیا سماں دکھلا رہا ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا کہ اُسی وقت موزوں ہوا تھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

قد طلعت الشمس علی الشمس

یعنی آفتاب پر آفتاب چمک رہا ہے

اگرچہ یہ ایک برجستہ لطیفہ تھا، تاہم معتصم کو رشک ہوا مامون نے تسکین کر دی کہ رقابت مقصود نہیں صرف ایک فوری اثر کا اظہار تھا۔ مامون کے اس طرز زندگی پر مخالفانہ یا موافقانہ نقد و تبصرہ کرنے کی مجھے جرأت نہیں ہے خود مولوی شبلی صاحب ہی کا بیان سُنیے۔

"انصاف سے دیکھیے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آزادی، حوصلہ مندی، لطافت طبع، جوشِ شباب ہمیشہ زہد کی حکومت کے باغی ہوتے آئے ہیں۔ مامون کی تخصیص نہیں اس وقت اسلامی سوسائیٹیاں عموماً اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کے پاس اس عہد میں امن، فراغ، اطمینان اور زر و مال سب کچھ موجود تھا۔ پھر کیا چیز تھی جو ان کو زندگی کے پُر خطر مشاغل سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ در انداز ہو سکتا تھا لیکن جدت پسند طبعیتیں اس کو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھیں۔ شراب کی جگہ نبیذ موجود تھی جس کو

عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی۔ لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کر دیے تھے نغمہ و سرود تو قابلیت کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے بنی امیہ اور بنی عباس میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گزرا جو اس فن شریف میں مناسب دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علما بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نغمہ میں بہت سے سُروں کے موجد ہیں"

مامون کے دور کو مسلمانوں کا "درخشاں عہد" کہا جاتا ہے مگر عیاشی اور آرام طلبی کے جو جراثیم اس وقت پیدا ہو چلے تھے وہ رنگ لائے بغیر نہ رہے اور فطرت کے مقررہ اصول کے مطابق عباسی اور ان کے ساتھ بغداد کی دولت و عظمت تباہ و برباد ہو کر رہی اور ازبسکہ بغداد مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کا مرکز تسلیم کر لیا گیا تھا لہٰذا اس کی تباہی کا اثر سارے عالم اسلام پر پڑا۔ کاش زمانہ امام علی رضا علیہ السلام کو خلافت اور قیادت کا موقع دیتا تو اسلامی سوسائٹی بہت سی خرابیوں سے محفوظ رہ جاتی اور انکی اور اُن کے مقدس مادر جانشینوں کی رہنمائی مسلمانوں کو اس ذہنی بے حالی سے بچا لیتی جو زوال بغداد کے بعد بھگتنا پڑا اور جس کے دیر

مامون الرشید اور ایک غریب سید

ہوائی جہاز عصر حاضر کی ایک نہایت عمدہ ایجاد ہے اس کی تیز رفتاری نے مسافت کو گھٹا دیا اور دور دست شہروں کو قریب کر دیا ہے لیکن اگر آپ اس باد پیما اور برق رفتار سواری کے دو چار پرزے کہیں سے لے آئیں اور یہ خواب دیکھنے لگیں کہ ہم ان کی مدد سے ہوا میں اڑنے اور آسمانوں سے باتیں کرنے لگیں گے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ مشین کوئی بھی ہو اپنے سارے کل پرزوں کے ساتھ چلتی اور کام دیتی ہے۔ اگر ایک پرزہ بھی ادھر سے ادھر ہوا تو اس کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور چاہے وہ دیکھنے میں مشین معلوم ہوتی رہے مگر آپ اس سے کام نہیں لے سکتے اور کسی مشین کے دو چار پرزے نکال کر ان سے پوری مشین کا کام لینے کی کوشش کرنا تو خلل دماغ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسلام بھی ایک نظام زندگی ہے۔ ایک مشین ہے آپ اگر اس کے چند پرزے نکال کر ان سے پوری مشین کا کام لینا چاہیں یا اس مشین کے چند پرزے گم کر کے اسی مشین کو چلانے کی توقع کریں تو آپ کو بری طرح ناکامی ہوگی بحیثیت ایک مصلح اور معلم قوم کے مسلمانوں کو جو ناکامی ہوئی ہے اس کا اصلی سبب یہی ہے۔ کسی نے تو صرف زبانی لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگا

کو اسلام سمجھ لیا، کسی نے بے خلوص نمازوں اور بے کیف روزوں کو انتہائے مقصد سمجھ لیا، بعض منچلوں نے چند ملکوں کی تسخیر اور دو چار بلند عمارتوں کی تعمیر کو دین خیال کر لیا۔ دو چار الٹے سیدھے اصولِ اسلام جو مسلمان بادشاہوں نے کسی ملک میں رائج کر دیئے ہیں وہ جب ناکام نظر آتے ہیں تو لوگ چلا اٹھتے ہیں کہ "لو وہ اسلام کا دیوالہ نکلا، اور تیرہ سو سال کا پرانا مذہب کہیں اس زمانے میں قابلِ عمل ہو سکتا ہے"

منجملہ اور اعتراضوں کے جو اسلام پر کئے جاتے ہیں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کا ضابطہ تعزیرات "عہدِ جاہلیت کی یادگار ہے۔ پناہ بخدا چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ کہیں اس مہذب اور شائستہ زمانے میں اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ بیشک بظاہر یہ سزا سخت نظر آتی ہے مگر ذیل کی سطور غور سے پڑھیے آپ کو معلوم ہوگا کہ اگر کسی ملک میں اسلامی نظام پورے طور پر نافذ ہو جائے تو وراثت، خمس، زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے سے خود بخود دولت کی عادلانہ تقسیم ہو جاتی ہے اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو اس کا حق مل جاتا ہے اور کوئی شخص بھوکا اور محتاج نہیں رہتا اب اس کے بعد بھی کوئی چوری کرے تو اس کو قابلِ عبرت سزا ملنی چاہیے تاکہ سوسائٹی اس بلا سے محفوظ رہے۔ جن حکومتوں نے ملک کی مالی اقتصادی اور معاشی حالت کو اصولِ اسلام کے مطابق درست کئے بغیر حدودِ اسلامی کو نافذ کیا وہ در اصل احکامِ اسلام سے واقف ہی نہ تھے۔

اگر رسولِ اسلام کی وفات کے بعد نظامِ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتا جو قانونِ الٰہی اور اس کی اسپرٹ سے واقف تھے تو ہر شعبہ حیات اسلامی ماحول میں نشو و نما پاتا اور حدودِ شرعی کا نفاذ صحیح موقع پر ہوتا اور اس سے صحیح نتائج برآمد ہوتے

خراسان کا دار الحکومت مرو دریائے مرغاب کے کنارے سرسبز و شاداب باغوں اور ہری بھری کھیتیوں کے جھرمٹ میں آباد تھا یوں تو یہ شہر بہت پرانا تھا اور ایران کے عروج کے زمانے میں مرو[1] شاہگان کے نام سے مشہور تھا مگر عہد عباسی میں ابو مسلم خراسانی نے اس کو خاص طور پر ترقی دی تھی۔ دریا سے نکلی ہوئی چار نہروں کے کناروں پر جدید آبادی بسائی تھی اور کئی عالی شان محل تعمیر کر کے اس کی شان دوبالا کر دی تھی قدیم شہر فصیل سے گھرا ہوا تھا اور اس کے چار دروازے تھے (۱) باب المدینہ (۲) باب سنجان (۳) باب بالین (۴) باب مشکان۔

باب مشکان کے سامنے وہ عالی شان قصر تھا جس میں مامون الرشید قیام مرو کے زمانے میں اجلاس عام کیا کرتا تھا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے اعلان کے بعد مامون کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ ہفتہ میں دو مرتبہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو اجلاس عام کرتا اور فریاد کرنے والوں کی فریاد سنتا اور داد خواہوں کی داد رسی کرتا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ بادشاہ مسند حکومت پر بیٹھا تھا اور حضرت امام رضا علیہ السلام حسب معمول اس کی داہنی طرف تشریف فرما تھے یکے بعد دیگرے مقدمات پیش ہوتے جاتے تھے اور بادشاہ امام علیہ السلام کے مشورے کے بعد ان کے فیصلے

[1] عرب مورخ اس کو مرو شاہجان کہتے ہیں۔

سنایا جاتا تھا۔ کہ یکایک ایک قیدی اس کے سامنے پیش کیا گیا بدن میں ایک اونی کرتا، سر پر عمامہ، چہرے سے آثار شرافت نمایاں تھے اور پیشانی کا گھٹا کثرت سجود کی شہادت دے رہا تھا چوری کے جرم میں لوگ اس کو پکڑ لائے تھے۔ بادشاہ نے سر سے پیر تک اس مرد مقدس کو دیکھا اور کہا۔

"صورت ایسی اور سیرت ایسی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

اس نے نہایت متانت سے جواب دیا چوری میں نے ضرور کی ہے۔ مگر آپ مجھ پر حد جاری نہیں کر سکتے۔ یہ فعل مجھ سے حالت اضطرار میں صادر ہوا ہے جب حکومت اپنے فرائض سے غافل ہے اور ہمارے حقوق ضبط کئے ہوئے ہے تو اس کو مجرم کو پکڑ کر سزا دینے کا بھی حق حاصل نہیں۔ ذرا ملک پر ایک نظر ڈالیے۔ احکام قرآنی کے مطابق دولت کی عادلانہ تقسیم نہیں ہوتی میں بھوک کے مارے قریب بہ ہلاکت پہنچ چکا تھا "مرتا کیا نہیں کرتا" مجبور ہو کر میں نے چوری کی۔

بادشاہ نے کہا میں تیری ان باتوں میں نہ آؤں گا بلکہ حکم قرآن کے مطابق حد جاری کر کے رہوں گا اور تیرا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ بیچارے سید نے کہا حد شرعی جاری کرنا واقعی ضروری چیز ہے تو پہلے اپنے اوپر حد جاری کیجیے۔

مامون متحیر ہو گیا اور امام رضا علیہ السلام کی طرف مڑ کر کہنے لگا وہ اس

آدمی کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کس کی چوری کی ہے جو مجھ پر حد شرعی جاری ہو سکے۔ حضرت نے نہایت آزادی سے فرمایا "غالباً اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نے معمولی سی چوری کی ہے اور بادشاہ تو مجھ سے بھی بڑا چور ہے کہ میرا اور سارے مسلمانوں کا حق ضبط کئے بیٹھا ہے"۔ اب تو بادشاہ جھلا پڑا اور اس نے کہا میں اس مرد کا ہاتھ ضرور قلم کروں گا۔ اس نے کہا۔ سبحان اللہ۔ آپ میرا ہاتھ کس طرح قلم کریں گے۔ آپ تو میرے غلام ہیں بادشاہ نے کہا "میں اور تمہارا غلام یہ کس طرح؟"

اس نے کہا "صرف میرے ہی نہیں بلکہ سب مسلمانوں کے"۔ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہارون الرشید نے آپ کی ماں کو بیت المال کے روپیہ سے خریدا تھا جو سب مسلمانوں کا مال ہے اور کسی مسلمان نے آپ کو ابھی تک پروانۂ آزادی نہیں دیا ذرا ہوش میں آئیے اور اوروں پر حد شرعی کا اجرا کرنے سے پہلے اپنے فرائض ادا کیجئے۔ مامون شرمندہ ہو کر حضرت امام علیہ السلام کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت نے فرمایا بیشک اس شخص کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا یہ فعل اس سے بحالت مجبوری سرزد ہوا ہے۔

امام رضا کے اخلاق و عادات

حضرت امام رضا علیہ السلام کی زندگی کے دو دور ہیں۔ ایک وہ

زمانہ جب آپ مدینے میں تشریف فرما تھے اور اپنے آبائے طاہرین کی طرح خاموش زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسرا وہ زمانہ جب آپ مامون الرشید کے ولیعہد تھے۔ دوست و دشمن دونوں متفق اللفظ ہیں کہ زندگی کے ہر دو دور میں حضرت کے اخلاق کا معیار بہت بلند تھا۔ تواضع اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ غرباء اور فقراء تک سے جھک کر ملتے تھے۔ کوئی گفتگو کرتا تھا تو بہت غور سے سنتے تھے اور جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا اپنی طرف سے آغاز کلام نہ فرماتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے کوئی سوال کیا ہو اور حضرت نے اس کو پورا نہ کیا ہو۔ قیام مدینہ کے زمانے میں حضرت کی آمدنی ظاہر ہے کوئی لمبی چوڑی نہ تھی۔ مگر حضرت کی سیر چشمی بڑھی ہوئی۔ ایک دو نہیں بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ حضرت نے خود تکلیفیں اٹھائیں مگر سائل کا سوال رد نہیں کیا۔ جس زمانے میں آپ مرو میں قیام پذیر تھے تو اپنے فرزند امام محمد تقی علیہ السلام کو ایک خط لکھا ہے۔ اس سے آپ کی سخاوت اور سیر چشمی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"جانِ پدر۔ ہم نے سنا ہے کہ تم گھر سے نکلتے ہو تو تمہارے خادم تم کو صدر دروازے سے نہیں بلکہ کسی چھوٹے دروازے سے باہر نکالتے ہیں اور اسی سے اندر لے جاتے ہیں۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ خلق خدا تمہارے

اپنے حقِ پدری کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آئندہ سے تم صدر دروازے سے
آیا جایا کرو۔ جب کبھی باہر نکلو درہم و دینار اپنے ساتھ رکھو۔ اور کسی سائل کو
محروم نہ کرو۔ اگر تمھارے چچا تم سے کچھ طلب کریں تو پچاس دینار سے کم نہ دو
اگر پھوپھیاں سوال کریں تو پچیس دینار سے کم نہ دو۔ جانِ پدر میں
چاہتا ہوں اس اچھی عادت سے اللہ تمھارا مرتبہ بلند کرے۔ راہِ خدا
میں بذل و ایثار کرو۔ اور گھبراؤ نہیں اللہ تم کو مفلس ہونے دے گا"

اس خط کا ایک ایک لفظ پڑھیے اور بذل و ایثار کی اس بلند تعلیم کی داد دیجیے
یسع ابن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔
مجلس بھری ہوئی تھی۔ لوگ مسائل دینیہ دریافت کر رہے تھے اتنے
میں ایک لمبا تڑنگا آدمی داخل ہوا اور سلام کر کے عرض کرنے لگا مولا
میں آپ کے اور آپ کے آبائے طاہرین کے معتقدوں میں سے ہوں حج سے
واپس ہو رہا ہوں۔ زادِ راہ ختم ہو چکا۔ گھر ابھی دور ہے۔ آپ اتنا سلوک
فرمائیے کہ وطن تک پہنچ سکوں۔ صاحبِ استطاعت ہوں اس لیے خیرات کا
مستحق نہیں۔ وطن پہنچ کر یہ روپیہ آپ کی طرف سے تصدق کر دوں گا۔ حضرت
نے کمالِ اخلاق سے فرمایا اے مردِ مسافر ذرا توقف کر یہ مجمع منتشر ہولے تو
تجھ سے بات کروں جب مجمع متفرق ہو گیا اور صرف دو ایک خاص مصاحب رہ
گئے تو حضرت اندر تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد دروازے سے دستِ مبارک

باہر نکال کر آواز دی اے مرد خراسانی یہ دو سو دینار لے یہ تیرا زادِ راہ ہے
اور رخصت ہو جا کہ میری نگاہ تیرے چہرے پر نہ پڑے اور ہماری طرف سے اس
روپیہ کی خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب وہ شخص چلا گیا تو سلیمان جعفری
نے کہا کہ حضور نے احسان تو کرنے میں کوتاہی نہیں فرمائی پھر اس سے منھ چھپانے
کا سبب کیا تھا فرمایا میں سائل کے چہرے پر سوال کرنے کی ذلت دیکھنا نہ
چاہتا تھا میرے جدِ امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی ایک حدیث ہے
المستتر بالحسنۃ تعدل سبعین حجۃ والمذیع بالسیئۃ مخذول والمستتر بہا
مغفور نیکی کا چھپانے والا ستر حج کا ثواب پاتا ہے بدی کا ظاہر
کرنے والا ذلیل ہوتا ہے اور چھپانے والا بخشا جاتا ہے حضرت کے زہد و
ورع کا یہ حال تھا کہ گرمی میں بوریئے پر بیٹھتے تھے اور جاڑوں میں کملی
بچھا لیتے تھے گھر میں موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے باہر تشریف لاتے لوگوں کے
طعن سے بچنے کیلئے ذرا اچھا لباس پہن لیتے تھے ایک مرتبہ مدینہ کے ایک فقیہ نے
آپ کے ظاہری لباس پر اعتراض کیا اور کہا کہ یا ابن رسول اللہ اگر معمولی
لباس پہنتے تو بہتر ہوتا آپ نے اس کا ہاتھ زیر آستین داخل کیا اور فرمایا
دیکھ لو اس کے نیچے پیراہن گلیم ہے۔

مساوات پسندی مزاج میں اتنی تھی کہ کھانا کھانے بیٹھتے تو دسترخوان پر
سائیس اور دربان تک کو ساتھ بٹھا لیتے ایک غلام

کھا رہے تھے اور حضرت کے ساتھ آپ کے حبشی اور غیر حبشی غلام بھی شریکِ طعام تھے ایک بلخی مہمان سے نہ رہا گیا اس نے کہہ ہی ڈالا کہ مولا ان غلاموں کے لیے علیحدہ انتظام فرما دیتے تو بہتر ہوتا۔ فرمایا اللہ ایک ہی اور ان سب کی ماں حوا اور باپ آدم ہے جزا اور سزا ہر ایک کو اپنے اعمال کے لحاظ سے ملے گی پھر تفاوت اور امتیاز کیسا۔ ایک روز کسی نے آپ سے کہا۔ واللہ آپ دنیا میں سب سے بہتر ہیں۔ ارشاد فرمایا اے شخص قسم نہ کھا جس کا تقویٰ مجھ سے زیادہ ہے وہ مجھ سے افضل ہے خدا کی قسم قرآن کی یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ان جعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (ہم نے تمھارے اندر قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرے۔ بے شک خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو)

مرغوبات اپنے آباؤ اجداد کی طرح حضرت امام رضا علیہ السلام کو بھی خوشبو بے حد پسند تھی آپ کے پاس آبنوس کا ایک ڈبہ تھا جس میں چند خانے تھے۔ ان خانوں میں مشک اور عطر رکھے رہتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ چند چیزیں مفرح دل و دماغ ہیں، خوشبو لگانا، شہد کھانا، سواری کرنا، اور سبزے کی طرف نگاہ کرنا۔ آدمی کو چاہیئے کہ خوشبو کا استعمال ترک نہ کرے ہر روز نہ ہو سکے

تو تیسرے روز ضرور لگائے۔ اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ہر جمعہ کو ضرور کسی نہ کسی قسم کی خوشبو استعمال کرے۔

خرمے حضرت کو بیحد مرغوب تھے

سلیمان ابن جعفر کہتے ہیں کہ میں ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ خرمائے برنی تناول فرما رہے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی شریک ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا شاید خرمے آپ کو بیحد پسند ہیں فرمایا کیونکر پسند نہ ہوں کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ سے لے کر میرے والد ماجد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک سب کے سب تمری (یعنی خرما دوست) تھے۔ ہاں ہمارے دشمن آتش پیالی (مسکرات) پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی خلقت خالص آتش (مارج من نار) سے ہوئی ہے۔

حضرت کا خادم خاص یاسر کہتا ہے کہ ایک دن ہم چند لوگ میوہ کھا رہے تھے مگر کوئی دانہ پورا نہ کھاتے تھے کچھ کھاتے تھے کچھ پھینکتے تھے۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا "نعمت خدا کی یہ ناقدری۔ اگر تم کو اس کی ضرورت نہیں تو مخلوق خدا میں بہت سے لوگ ہیں جو اس کے محتاج ہیں خود سیر ہو کر کھالو تو دوسروں کو دے دیا کرو۔"